ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

Vol.9. No.1.2026

موقوف روایاتِ بحکمِ مرفوع سے استدلال کے اصول و مناہج: کتبِ حدیث کی روشنی میں ایک اختصاصی و تجزیاتی مطالعہ

Principles and Methodologies of Using Mawqūf Reports Deemed Marfūʿ as Evidence: A Specialized Analytical Study in the Light of Ḥadīth Literature

1. Hafiz Muhammad Saber
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Lahore, Lahore, Pakistan.
Email: hafiz.saber@yahoo.com
2. Dr. Hafiz Muhammad Shabbir Ahmad
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Lahore, Lahore, Pakistan.
Email: shabbir.ahmad@ais.uol.edu.pk

Abstract

This study examines the evidentiary status of mawqūf reports that, despite being formally attributed to a Companion, are treated by ḥadīth scholars as having the legal effect of marfūʿ reports. The research focuses on the principles and methodological indicators through which such reports are elevated in authority and used in juristic reasoning. Drawing primarily on ḥadīth literature and the discussions of leading muḥaddithūn and uṣūl scholars, the study analyzes the distinction between purely mawqūf reports and mawqūf reports that are marfūʿ in ruling. Particular attention is given to reports concerning matters beyond the scope of personal reasoning, statements connected explicitly with the Prophetic period, expressions such as "min al-sunnah," anonymous forms of command and prohibition such as "umirnā" and "nuhīnā," and reports indicating Prophetic approval through established practice during the lifetime of the Prophet ﷺ. The study also considers the role of contextual indicators, the Companion's position, the possibility or impossibility of ijtihād, and the relationship of such reports with Qur'anic principles, established Sunnah, and broader rules of Sharīʿah. Selected examples from major ḥadīth collections are analyzed to demonstrate how the theoretical principles operate in practical inference. The findings show that the authority of mawqūf reports is not uniform; rather, it depends on identifiable textual and contextual criteria. When a report contains a reliable indication of Prophetic origin or concerns a matter inaccessible to independent reasoning, it may legitimately function as marfūʿ in legal argumentation. The study concludes that careful differentiation between ordinary mawqūf reports and those deemed marfūʿ is essential for accurate ḥadīth interpretation, sound legal deduction, and a balanced understanding of the evidentiary role of the Companions' reports.

Keywords: Mawqūf Reports; Marfūʿ Ḥukmī; Qawl al-Ṣaḥābī; Ḥadīth Methodology; Legal Evidence; Ijtihād; Ḥadīth Literature

تعارف

اسلامی شریعت کے مصادر اور ان سے استنباطِ احکام کے طریقۂ کار میں حدیث و سنت کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ علومِ حدیث میں روایات کی تقسیم متعدد اعتبارات سے کی گئی ہے، جن میں مسند الیہ، یعنی روایت کی نسبت کے اعتبار سے مرفوع، موقوف اور مقطوع کی تقسیم نہایت اہم ہے۔ مرفوع روایت براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہے، جبکہ موقوف روایت کا سلسلۂ نسبت صحابی رضی اللہ عنہ کے قول، فعل یا تقریر پر منتہی ہوتا ہے۔ تاہم موقوف روایت کی ہر صورت یکساں استدلالی حیثیت نہیں رکھتی۔ بعض روایات اگرچہ لفظاً کسی صحابی کی طرف منسوب ہوتی ہیں، مگر اپنے مضمون، سیاق، داخلی قرائن یا نوعیت کے باعث محدثین کے نزدیک حکماً مرفوع شمار ہوتی ہیں۔ یہی پہلو موقوف روایات کے باب کو علمِ حدیث اور اصولِ استدلال کا ایک دقیق اور خصوصی موضوع بناتا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

موقوف روایت کو مرفوع حکمی قرار دینے کا بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ کون سے علمی قرائن اور اصول ہیں جن کی بنیاد پر صحابی سے منقول کسی قول، فعل یا تقریر کو محض ان کا اجتہاد قرار دینے کے بجائے رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ سمجھا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ایسے امور جن میں ذاتی اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، غیبی اور اخروی حقائق، عہدِ نبوی کی طرف کسی عمل کی صریح نسبت، صحابی کا «مِنَ السُّنَّةِ كَذَا» کہنا، یا «أُمِرْنَا» اور «نُهِينَا» جیسے صیغوں کا استعمال خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح عہدِ رسالت ﷺ میں کسی عمل کے معروف اور رائج ہونے کا ذکر بھی بعض صورتوں میں تقریرِ نبوی اور مرفوع حکمی کی بنیاد قرار پاتا ہے۔

زیرِ نظر تحقیق کا بنیادی مقصد انہی اصولوں کا اختصاصی مطالعہ کرنا اور کتبِ حدیث میں وارد عملی مثالوں کی روشنی میں یہ متعین کرنا ہے کہ موقوف روایت کب اپنی اصل موقوف حیثیت پر باقی رہتی ہے اور کن شرائط و قرائن کی موجودگی میں اسے مرفوع کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ محدثین، اصولیین اور فقہاء کے مناہجِ استدلال کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ قولِ صحابی، اثر، موقوف اور مرفوع حکمی کے مابین علمی فرق واضح ہو سکے اور فقہی استنباط میں ان روایات کے حقیقی مقام کا تعین کیا جا سکے۔

موضوع کی اہمیت

موقوف روایات کا مسئلہ صرف اصطلاحاتِ حدیث کی درجہ بندی تک محدود نہیں بلکہ اس کا براہِ راست تعلق حجیتِ حدیث، قولِ صحابی، فقہی استنباط اور شرعی احکام کی دلیل سے ہے۔ اگر ہر موقوف روایت کو محض صحابی کا شخصی اجتہاد سمجھ لیا جائے تو بعض ایسی روایات اپنی حقیقی نبوی دلالت سے محروم ہو سکتی ہیں جن میں سماع، تقریر یا وحی پر مبنی مضمون کا واضح قرینہ موجود ہو۔ اسی طرح ہر موقوف روایت کو بلا شرط مرفوع کے درجے میں رکھنا بھی اصولِ حدیث اور منہجِ استدلال کے خلاف ہو گا۔ اس لیے دونوں کے درمیان دقیق امتیاز ایک بنیادی علمی ضرورت ہے۔

مقاصدِ تحقیق

1۔ موقوف، مرفوع اور مرفوع حکمی روایات کے اصطلاحی مفاہیم اور باہمی فرق کو واضح کرنا۔

2۔ موقوف لفظی اور مرفوع حکمی روایت کی بنیادی اقسام اور شناختی قرائن کا تجزیہ کرنا۔

3۔ یہ متعین کرنا کہ عدمِ مجالِ اجتہاد کن صورتوں میں موقوف روایت کو مرفوع حکمی کا درجہ دیتا ہے۔

4۔ «مِنَ السُّنَّةِ»، «أُمِرْنَا»، «نُهِينَا» اور عہدِ نبوی کی طرف نسبت جیسے صیغوں کی حدیثی و استدلالی حیثیت واضح کرنا۔

5۔ کتبِ حدیث میں موجود منتخب موقوفِ بحکمِ مرفوع روایات کا تطبیقی مطالعہ کرنا۔

6۔ محدثین، فقہاء اور اصولیین کے مناہجِ استدلال کا تقابلی جائزہ لینا۔

تحقیقی سوالات

1۔ موقوف روایت اور موقوفِ بحکمِ مرفوع روایت کے درمیان بنیادی اصطلاحی اور استدلالی فرق کیا ہے؟

2۔ کن قرائن اور شرائط کی بنیاد پر موقوف روایت کو مرفوع حکمی قرار دیا جاتا ہے؟

3۔ عدمِ مجالِ اجتہاد، عہدِ نبوی کی نسبت اور «مِنَ السُّنَّةِ» جیسے صیغے مرفوع حکمی کی تعیین میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

4۔ کتبِ حدیث میں موقوفِ بحکمِ مرفوع روایات سے عملی استدلال کی نمایاں صورتیں کون سی ہیں؟

5۔ محدثین، فقہاء اور اصولیین کے ہاں ان روایات کی حجیت اور طریقۂ استدلال میں کہاں اتفاق اور کہاں اختلاف پایا جاتا ہے؟

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

منہجِ تحقیق

اس تحقیق میں بنیادی طور پر استقرائی، توصیفی، تحلیلی اور تقابلی منہج اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے کتبِ مصطلح الحدیث، اصولِ حدیث اور متعلقہ علمی مصادر کی روشنی میں موقوف اور مرفوع حکمی کی اصطلاحات، اقسام اور شناختی قرائن کو مرتب کیا گیا ہے۔ بعد ازاں کتبِ حدیث میں وارد منتخب روایات اور ان پر محدثین کے احکام و استدلالات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ جہاں فقہاء اور اصولیین کے درمیان قولِ صحابی یا مرفوع حکمی روایت کی حجیت میں اختلاف پایا جاتا ہے وہاں مختلف آراء کو تقابلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ روایت کے متن، سیاق، امکانِ اجتہاد، عہدِ نبوی سے تعلق، عملِ صحابہ اور عمومی اصولِ شریعت کو بھی تجزیے میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

موقوف روایات: اصطلاحی تناظر میں ایک مختصر جائزہ

شریعت اسلامیہ کی بنیاد قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ پر استوار ہے، جن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ قرآن کریم، جو وحی جلی، متلو، اور متواتر ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے براہ راست کلام ہے اور فقہی احکام کا بنیادی ماخذ ہے۔ سنت یا حدیث رسول ﷺ قرآن کی تشریح کرتی ہے اور اس کے احکام کی تفصیل بیان کرتی ہے، جو نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال، اور تقریرات پر مشتمل ہے۔ یہ احادیث کئی اقسام میں تقسیم ہیں، جن میں سے ایک اہم تقسیم مسند الیہ (منسوب کی طرف نسبت) کے اعتبار سے ہے، جو مرفوع، موقوف، اور مقطوع روایات میں منقسم ہے۔

حدیث موقوف کی اصطلاحی تعریف کو سمجھنے سے قبل اس کے لغوی معانی کو جاننا ضروری ہے۔ "موقوف" لفظ "وقف" سے مشتق ہے، جس کے بنیادی معانی رکنا، ٹھہرنا، مختص کرنا، اور قرار پانا ہیں۔ وَقَفَ يَقِفُ وَقْفًا وَوَقُوفًا کا مطلب ہے خاموشی سے کھڑا ہونا یا ٹھہرنا[1] قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال ملتا ہے، جیسے:

«وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ»[2]

اور کاش تو دیکھے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے

:۔ امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں "وقفوا" کے معنی "روکے جائیں گے" بیان کرتے ہیں[3] ﴿إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (جب ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے)[4] ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ﴾ (اور کاش تو دیکھے جب وہ آگ کے سامنے روکے جائیں گے)[5]:، جس کے معنی حُبِسُوا (روکے جانا) ہیں[6]

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

---

[1] ابن منظور، 1999ء، ج:9، ص:359۔

[2] القرآن الکریم، سورۃ الانعام، 6:30۔

[3] قرطبی، 1964، ج:6، ص:411۔

[4] القرآن الکریم، سورۃ سبا، 34:31۔

[5] القرآن الکریم، سورۃ الانعام، 6:27۔

[6] مصطفیٰ، 2008، ج:2، ص:1051۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

" "وقوف" جلوس کی ضد ہے، اور یہ کسی جگہ کھڑا ہونے یا ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح، وقف الدابۃ کا مطلب ہے سواری کو کھڑا کرنا" [7]

المنجد میں "وقف" کے معنی خاموشی سے ٹھہرنا اور "موقف" کو ٹھہرنے کی جگہ کہا گیا ہے، جبکہ موقف المرأة المتحجبة سے مراد پردہ نشین عورت کے ظاہر ہونے والے اعضاء ہیں۔ [8]

قرآت میں، وقف القاري على الكلمة کا مطلب کلمہ کے آخری حرف کو ساکن کر کے پڑھنا ہے۔ معجم لغۃ الفقہاء میں "وقف" کو کسی چیز کو روکنا یا بند کرنا کہا گیا ہے، جیسے قرآت میں کلمہ کو مابعد سے منقطع کرنا اور سانس لے کر پڑھائی جاری رکھنا یا روکنا [9]

مزید معانی شامل ہیں:

وقف فی المسئلہ: کسی معاملے میں شک کرنا یا ٹھہرنا [10]

وقف: جائیداد کو اللہ کی راہ میں یا مفاد عامہ کے لیے مختص کرنا، جیسے "وقف الدار في سبيل الله"، اور اس کی جمع "اوقاف" ہے، جو شرعی یا حکومتی قانون کے تحت مختص جائیداد کو کہتے ہیں۔ [11]

أوقف عن الأمر: کسی کام سے باز رہنا یا ٹھہرنا۔ [12]

وافقہ موافقۃ ووفاقا: ایک دوسرے کے مقابل کھڑا ہونا۔ [13]

الوقیفۃ: بھگایا ہوا شکار جو تھک کر ٹھہر جائے، یا وہ مقام جہاں کتے اپنے مالک کو روک دیں۔ ابن درید فرماتے ہیں کہ وقيفة الوعل وہ شکار ہے جو کتوں یا تیر اندازوں سے گھر کر چٹان پر ٹھہر جاتا ہے [14]

وقوف عرفہ: حج کے مناسک میں میدان عرفات میں ٹھہرنا۔ [15]

وقاف: اطمینان سے ٹھہرنے والا، جو جبازی کی ضد ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے:

«إن المؤمن وقاف متأن وليس كحاطب الليل» [16]

مومن رک جانے والا اور اطمینان سے ٹھہرنے والا ہوتا ہے، رات کو لکڑیاں اکٹھا کرنے والے کی طرح نہیں

---

[7] ابن منظور، 1999ء، ج:9، ص:359۔

[8] معلوف، 1980ء، ج:1، ص:914۔

[9] قلعہ جی وقنیبی، 1988ء، ص:384۔

[10] مصطفیٰ، 2008، ج:2، ص:1051۔

[11] مصطفیٰ، 2008، ج:2، ص:1051۔

[12] مصطفیٰ، 2008، ج:2، ص:1051۔

[13] مصطفیٰ، 2008، ج:2، ص:1051۔

[14] ابن زکریا، 2002، ج:6، ص:103۔

[15] رازی، 1995، ص:740۔

[16] ابن منظور، 1999ء، ج:9، ص:359۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مختصراً، "وقف" کے معانی ٹھہرنا، رکنا، بندش، روک تھام، قرآت میں کلمہ کو ساکن کرنا، فقہ میں جائیداد کو اللہ یا واقف کی ملکیت کے لیے مختص کرنا، اور دیگر مادی استعمال (جیسے ہاتھی دانت کے کنگن یا ڈھال کا حلقہ) شامل ہیں۔

موقوف کا اصطلاحی مفہوم: ایک مختصر جائزہ:

"موقوف" اسم مفعول ہے، جس کے معنی ہیں "روکا ہوا" یا "ٹھہرایا ہوا"۔ حدیث موقوف کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی سند کا سلسلہ صحابی پر رُک جاتا ہے۔[17]

علمائے حدیث کے نزدیک موقوف روایت کی مستند تعریف یہ ہے کہ یہ وہ روایت ہے جو صحابی کے قول، فعل، یا تقریر کے ساتھ منسوب ہو، چاہے سند متصل ہو یا منقطع۔[18] اس سے واضح ہوتا ہے کہ موقوف روایت متصل یا منقطع دونوں ہو سکتی ہے۔

متصل موقوف کی مثال: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول کہ حدثوا الناس بما یعرفون أتحبون أن یکذب اللہ ورسولہ " لوگوں کو وہی بتاؤ جو وہ سمجھ سکیں، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے؟" یہ قول متصل سند کے ساتھ ہے۔[19]

منقطع موقوف کی مثال: امام احمد نے اپنی کتاب الاشربۃ میں روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الخمر من خمسة من الزبیب والتمر والشعیر والبر والعسل (شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے: کشمش، کھجور، جو، گیہوں، اور شہد) یہ روایت منقطع ہے۔[20]

ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ موقوف روایت صحابہ کرام کے اقوال، افعال، یا ان سے ملتی جلتی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے، جو ان پر رُک جاتی ہے اور نبی ﷺ تک نہیں جاتی۔ اگر اس کی سند صحابی تک متصل ہو تو یہ موقوف موصول کہلاتی ہے، اور اگر غیر متصل ہو تو موقوف غیر موصول کہلاتی ہے، جیسا کہ مرفوع روایات کے بارے میں بیان ہوا۔[21]

ابن حجر عسقلانی نزہۃ النظر میں لکھتے ہیں:

> " موقوف وہ روایت ہے جس کی سند صحابی پر ختم ہو، اور اس کے الفاظ صحابی کے قول، فعل، یا تقریر کی صراحت کرتے ہوں، اگرچہ تشبیہ ہر پہلو سے یکساں نہیں ہوتی۔"[22]

امام حاکم فرماتے ہیں:

> " موقوف روایت وہ ہے جو صحابی تک بغیر ارسال یا اعضال کے مروی ہو، اور صحابی سے کہا جائے کہ وہ فلاں بات کہتا تھا، فلاں عمل کرتا تھا، یا فلاں کا حکم دیتا تھا۔"[23]

خطیب بغدادی کے مطابق:

---

[17] طحان، 2004ء، ص:129۔

[18] نووی، 1997ء، ج:1، ص:184۔

[19] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث:127۔

[20] ابن حنبل، 2001، ج:1، ص:32۔

[21] ابن الصلاح، 1982ء، ص:46۔

[22] ابن حجر، 2000ء، ص:111۔

[23] حاکم، 1980ء، ص:21۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

" موقوف وہ روایت ہے جو صحابی تک منسوب ہو اور اس سے آگے نہ بڑھے۔"[24]

موقوف کا مترادف لفظ "اثر": موقوف روایات کے لیے "اثر" کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض فقہاء، جیسے خراسانی فقہاء، موقوف کو اثر کہتے ہیں۔ ابو القاسم فورانی کے مطابق، خبر نبی ﷺ سے منسوب ہوتی ہے، جبکہ اثر صحابہ سے۔[25]

ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ خراسانی فقہاء موقوف کو اثر کہتے ہیں، جیسے کہ خبر نبی سے اور اثر صحابہ سے منسوب ہوتا ہے۔[26]

ابو عبد اللہ محمد بن جمال الدین لکھتے ہیں:

" امام شافعی اثر کو صحابہ کے کلام پر اور حدیث کو نبی کے قول پر استعمال کرتے ہیں، جو مراتب کے تفاوت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے صاحب شرع سے منسوب کو خبر، صحابہ سے منسوب کو اثر، اور علماء سے منسوب کو قول یا مذہب کہا جاتا ہے۔"[27]

امام سخاوی فتح المغیث میں کہتے ہیں:

" بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار اسی تفرق کو ظاہر کرتی ہے۔"[28]

بعض علما "اثر" میں مقطوع روایات کو بھی شامل کرتے ہیں، جیسا کہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ موقوف اور مقطوع دونوں کو اثر کہا جاتا ہے[29]

اس بحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اثر صحابہ کے اقوال اور افعال کے لیے خاص ہے۔ محدثین "اثر" کو حدیث کے مترادف بھی استعمال کرتے ہیں، جو مرفوع، موقوف، اور مقطوع تینوں روایات پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے طحاوی کی مشکل الآثار اور سیوطی کی الدر المنثور میں۔ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اثر نبی ﷺ سے منسوب ہو تو حدیث مراد ہے، اور اگر صحابی یا تابعی سے ہو تو ان کے اقوال مراد ہیں۔[30]

موقوف روایات کی اقسام اور ان کی شناخت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ملت اسلامیہ کے وہ روشن ستارے ہیں جن کے ذریعے دین ہم تک پہنچا۔ انہوں نے قرآن کریم کو نازل ہوتے دیکھا اور نبی کریم ﷺ سے دین سیکھا، سمجھا، اور اس پر عمل کیا۔ ان عظیم ہستیوں نے احادیث کا ایک وسیع ذخیرہ ہم تک منتقل کیا۔ عام طور پر صحابہ حدیث نقل کرتے وقت اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جسے حدیث مرفوع کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر صحابی نے حدیث کو اپنے قول یا فعل کے طور پر بیان کیا اور اسے نبی ﷺ سے منسوب نہیں کیا، تو اسے حدیث موقوف کہتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر حدیث موقوف ایک الگ قسم ہے، لیکن عبادات، اعمال، عقائد، یا آخرت کے امور میں یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔

حدیث موقوف کی دو اہم اقسام ہیں:

---

[24] خطیب بغدادی، 1357ھ، ص:422۔

[25] ابن کثیر، 2000، ج:1، ص:147۔

[26] ابن الصلاح، 1982ء، ص:46۔

[27] ابن بہادر، 1998ء، ج:1، ص:137۔

[28] سخاوی، 1997ء، ج:1، ص:137۔

[29] ابن حجر، 2000ءء، ص:30۔

[30] سیوطی، 1983، ج:1، ص:43۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

1۔موقوف لفظی موقوف حکمی

2۔موقوف لفظی مرفوع حکمی

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔موقوف لفظی موقوف حکمی

اس سے مراد وہ روایت ہے جس کے الفاظ اور نسبت دونوں صحابی کے ہوں، اور اسے مرفوع ہونے کا حکم نہ دیا جائے۔ شیخ محمد بن صالح عثیمین، اس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ روایت ہے جو صحابی سے منسوب ہو اور اس کے مرفوع ہونے کا کوئی قرینہ نہ ہو۔[31]

مثال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول:

«إن أخوف ما أخاف عليكم ثلاثة جدال المنافق بالقرآن لا يخطئ واوا ولا ألفا يجادل الناس أنه أجدل منهم ليضلهم عن الهدى, وزلة عالم, وأئمة المضلين»[32]

مجھے تمہارے لیے تین چیزوں سے سب سے زیادہ ڈر ہے: منافق کا قرآن سے جدال جو واو یا الف میں غلطی نہ کرے اور لوگوں کو گمراہ کرے، عالم کی لغزش، اور گمراہ حکمرانوں کے فیصلے

اس قسم کی تین ذیلی اقسام ہیں:

موقوف قولی: وہ روایت جس میں صحابی کا قول منقول ہو۔ مثال: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

«حدثوا الناس بما يعرفون، أتحبون أن يكذب الله ورسوله»[33]

لوگوں کو وہی بتاؤ جو وہ سمجھ سکیں، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے؟

موقوف فعلی: وہ روایت جس میں صحابی کا عمل بیان ہو۔ مثال: نافع سے مروی کہ

«كان ابن عمر يصلي في مكانه الذي صلى فيه الفريضة»[34]

حضرت ابن عمر اسی جگہ نوافل ادا کرتے جہاں انہوں نے فرض نماز پڑھی ہوتی تھی

موقوف تقریری: وہ روایت جس میں صحابی کی سکوتی تائید ہو۔ مثال: رافع سے مروی کہ

«أن مولاة لصفية بنت أبي عبيد اختلعت من زوجها بكل شيء لها، حتى اختلعت ببعض ثيابها، فبلغ ذلك ابن عمر فلم ينكره»[35]

صفیہ بنت ابی عبید کی باندی نے اپنے شوہر سے خلع لیا ہر چیز کے عوض، حتیٰ کہ اپنے کپڑوں سے، اور یہ بات ابن عمر کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اسے ناپسند نہیں کیا۔

---

[31] عثیمین، 2020ء، ص:77۔

[32] ابن بطہ، 1415ھ/1994ء، ج:2ء، ص:527۔

[33] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث:127۔

[34] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث:848۔

[35] ابن ابی شیبہ، 1989ء، ج:4ء، ص:125، رقم الحدیث:18527۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

۲۔ موقوف لفظی مرفوع حکمی

یہ وہ موقوف روایت ہے جس میں کوئی قرینہ اسے مرفوع کے درجے پر لے جائے۔ ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر فرماتے ہیں کہ یہ وہ روایت ہے جو بظاہر نبی ﷺ سے منسوب نہ ہو، لیکن اس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے حکماً نبی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔[36]

مثال: حضرت عبد اللہ بن عمر کا قول:

«كان الرجال والنساء يتوضون في زمن النبي ﷺ في الإناء الواحد جميعا»[37]

نبی ﷺ کے زمانے میں مرد و عورتیں ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے۔

اس کی تین ذیلی اقسام ہیں:

مرفوع قولی حکمی: وہ قول جو صحابی بیان کرے اور اس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، جیسے کائنات کی تخلیق، فتنوں، یا قیامت کی علامات سے متعلق باتیں۔ یہ باتیں صحابی نے نبی ﷺ سے سنی ہوں گی، کیونکہ یہ امور بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے۔[38]

مرفوع فعلی حکمی: وہ عمل جو صحابی نبی کے زمانے سے منسوب کرے۔ مثال: حضرت انس کا قول کہ

«كنا لا نرى بأسا بكذا في حياة رسول الله ﷺ»[39]

ہم نبی ﷺ کے زمانے میں فلاں کام میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

مرفوع تقریری حکمی: وہ تقریر جو نبی کے زمانے سے منسوب ہو۔ مثال: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول: كنا نعزل على عهد رسول الله ﷺ فبلغ ذلك نبي الله ﷺ (ہم نبی ﷺ کے زمانے میں عزل کرتے تھے، اور یہ بات نبی تک پہنچی تو آپ نے منع نہیں فرمایا)۔[40]

عہد نبوی کی طرف اضافت والے الفاظ: اگر صحابی کہے کہ "ہم فلاں کام کرتے تھے" یا "ہمیں کوئی حرج نہ تھا" اور اس کا تعلق نبی ﷺ کے زمانے سے ہو، تو یہ مرفوع حکمی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ صحابی کا قول کہ كنا لا نرى بأسا بكذا في حياة رسول الله ﷺ یا كانوا يفعلون كذا مرفوع کے حکم میں ہے[41]

مثال: حضرت انس کا قول کہ "ہم نبی ﷺ کے عہد میں مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھتے تھے"۔[42]

عہد نبوی کی طرف عدم اضافت والے الفاظ: اگر صحابی کا قول یا فعل نبی کے زمانے سے منسوب نہ ہو، تو جمہور کے نزدیک یہ موقوف ہے۔ الیواقیت والدرر میں ہے کہ اگر صحابی عہد نبوی سے نسبت نہ کرے، تو یہ موقوف ہے، جیسا کہ خطیب، ابن الصلاح، اور نووی نے بیان کیا[43]

مثال: حضرت ابو سعید خدری کا قول:

---

[36] ظفر، س ن، ص:246۔

[37] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث:193۔

[38] ابن حجر، 2000ء، ص:105۔

[39] نووی، 1997ء، ج:1، ص:33۔

[40] مسلم بن حجاج، 1991ء، رقم الحدیث:1440۔

[41] نووی، 1997ء، ج:1، ص:33۔

[42] مسلم بن حجاج، 1991ء، رقم الحدیث:836۔

[43] مناوی، 1999، ج:2ء، ص:187۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

«كنا نطعم الصدقة صاعا من شعير»[44]

ہم ایک صاع جو صدقہ دیا کرتے تھے۔

لفظ السنۃ کا استعمال: اگر صحابی کہے کہ من السنة كذا، تو جمہور محدثین کے نزدیک یہ مرفوع حکمی ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس پر محدثین کا اتفاق ہے[45]

مثال: حضرت انس کا قول:

«من السنة إذا تزوج البكر على الثيب اقام عندها سبعا»[46]

سنت ہے کہ اگر کنواری سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن رہے

اگر تابعی یہ لفظ استعمال کرے، تو کچھ علما اسے مرفوع اور کچھ موقوف مانتے ہیں[47]

مجہول صیغہ امر و نہی: اگر صحابی کہے کہ أمرنا یا نهینا، تو جمہور کے نزدیک یہ مرفوع ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ صیغے مرفوع کے حکم میں ہیں[48]

مثال: ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا قول: أمرنا أن نخرج في العيدين العواتق (ہمیں حکم دیا گیا کہ عیدین میں بالغ لڑکیوں کو نکالیں)۔[49]

تفسیری اقوال: اگر تفسیر نبی ﷺ سے منسوب ہو، تو مرفوع ہے۔ مثال: حضرت جابر کا قول کہ یہودیوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی[50] اگر نہ ہو، تو موقوف ہے[51]

صیغہ کنایہ والی احادیث: اگر راوی صحابی سے روایت کرتے ہوئے کہے یرفعه یا روایة عنه، تو یہ مرفوع حکمی ہے[52] خطیب بغدادی نے اس کے لیے الکفایہ میں باب باندھا ہے[53]۔

صحابی کی تعریف

اصطلاحی طور پر، صحابی کی تعریف میں محدثین اور اصولیین کے درمیان اختلاف ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ صحابی وہ ہے جس نے حالت ایمان میں نبی ﷺ سے ملاقات کی، چاہے مصاحبت مختصر ہو، روایت کی ہو یا نہ کی ہو[54] امام بخاری فرماتے ہیں کہ جو مسلم نبی سے ملا یا انہیں دیکھا، وہ صحابی ہے۔ ابن حجر اس کی تائید کرتے ہیں کہ یہ راجح ہے اور امام احمد و جمہور محدثین کا یہی قول ہے[55]

---

[44] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث: 1505۔

[45] ابن حجر، 2000ء، ص: 106۔

[46] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث: 5214۔

[47] ابن حجر، 2000ء، ص: 106۔

[48] نووی، 1997ء، ج: 1، ص: 185۔

[49] مسلم بن حجاج، 1991ء، رقم الحدیث: 890۔

[50] ترمذی، 2000، رقم الحدیث: 2978۔

[51] نووی، 1997ء، ج: 1، ص: 185۔

[52] ابن حجر، 2000ء، ص: 105۔

[53] خطیب بغدادی، 1357ھ، ص: 418۔

[54] ابن حجر، 1995، ج: 1، ص: 158۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

دوسرا مذہب یہ ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے نبی ﷺ کے ساتھ ایسی مصاحبت کی ہو کہ عرف میں اسے صاحب کہا جائے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ مختصر مصاحبت بھی کافی ہے، لیکن عرف میں کثرت مصاحبت لازم ہے[56] فواتح الرحموت میں ہے کہ جمہور اصولیین کے نزدیک طویل مصاحبت ضروری ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ مدت معین نہ ہو[57] تیسیر التحریر کے مطابق، صحابی وہ ہے جسے طویل مصاحبت کا شرف حاصل ہو[58]

راجح مذہب

محدثین کا مذہب راجح ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ "عنقریب لوگ جہاد کریں گے، ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی نبی کو دیکھنے والا ہے؟ وہ کہیں گے ہاں، تو انہیں فتح ملے گی"[59] شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حالت ایمان میں نبی کو دیکھنے والے کو صحابی قرار دیتی ہے[60]

حجیتِ اقوالِ صحابہ: مفہوم اور دائرۂ کار

حجیت سے مراد شرعی دلیل ہے۔ حجیت قول صحابی سے سوال ہے کہ کیا صحابی کا قول شریعت میں معتبر دلیل ہے؟

صحابہ کرام کے فضائل اور ان کی عدالت

صحابہ کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾[61]

؛ ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ﴾[62]؛ ﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾[63] [64] حدیث میں ہے:خير القرون قرني ثم الذين يلونهم(بہترین صدی میری صدی ہے، پھر اس کے بعد والوں کی)[65]

حجیتِ اقوالِ صحابہ کے حوالے سے محلِ اختلاف

صحابہ کے اقوال کی پانچ اقسام ہیں:

1۔ قول بغیر اجتہاد: اگر قول اجتہاد کے بغیر ہو، تو قابل حجت ہے، کیونکہ یہ نبی سے سماع پر مبنی ہوتا ہے[66]

2۔ منتشر قول بغیر مخالفت: اگر قول صحابہ میں منتشر ہو اور کوئی مخالفت نہ ہو، تو یہ اجماع سکوتی ہے اور قابل حجت ہے[67]

---

[55] ابن حجر، 2000، ج:7ء، ص:5۔

[56] غزالی، 1990، ج:1، ص:309۔

[57] کنوی، 1999، ج:2ء، ص:196۔

[58] امیر بادشاہ، 1997ء، ج:3ء، ص:66۔

[59] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث:3649؛ مسلم، 1955، رقم الحدیث:2532۔

[60] ابن تیمیہ، 2000، ج:20ء، ص:298۔

[61] القرآن الکریم، سورۃ الفتح، 48:18۔

[62] القرآن الکریم، سورۃ التوبہ، 9:100۔

[63] القرآن الکریم، سورۃ الحشر، 59:8۔

[64] القرآن الکریم۔

[65] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث:2652۔

[66] بخاری، 1997ء، ج:3ء، ص:410۔

[67] ابن تیمیہ، 2000، ج:20ء، ص:14۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

3۔ مخالفت شدہ قول: اگر صحابہ میں اختلاف ہو، تو کوئی قول دوسرے پر ترجیح نہیں پاتا، اور دلیل کی بنیاد پر انتخاب کیا جاتا ہے[68]

4۔ رجوع شدہ قول: اگر صحابی نے قول سے رجوع کیا، تو وہ حجت نہیں[69]

5۔ غیر منتشر یا غیر مشہور قول: اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اور یہ محل نزاع ہے۔

کس صحابی کا قول حجت ہے؟

اصولیین کی تعریف کے مطابق، طویل مصاحبت والے صحابہ (مثلاً خلفاء راشدین، عبد اللہ اربعہ) کا قول حجت ہے، کیونکہ انہوں نے وحی، اسباب نزول، اور احکام کو سمجھا[70]

حجیتِ قولِ صحابی کے بارے میں علماء کی آراء

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، اور جمہور اہل حدیث کے نزدیک صحابی کا قول شرعی حجت ہے اور قیاس پر ترجیح رکھتا ہے۔[71]

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ قرآن، سنت، اور صحابہ کے قول سے حکم اخذ کرتے ہیں، اور تابعین کے اقوال پر اجتہاد کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ ثقہ حدیث یا صحابہ کے قول کو قبول کرتے تھے۔[72]

امام بزدوی نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کی تقلید واجب ہے۔[73]

صحابی سے مراد اصولیین کی تعریف ہے، اور جمہور کے نزدیک ان کا قول حجت ہے، کیونکہ ان کی عدالت و فضیلت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

فقہ حنفی کے اصول

فقہ حنفی کے اصول وہ ضابطے ہیں جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں، اگرچہ ان کی سند میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں:

> «أخذ بكتاب الله إذا وجدته فما لم أجده فيه أخذت بسنة رسول الله والآثار الصحاح عنه التي فشت في أيدى الثقات، فإذا لم أجد في كتاب الله ولا سنة رسول الله ﷺ أخذت بقول أصحابه من شئت، وأدع قول من شئت، ثم لا أخرج عن قولهم إلى قول غيرهم، فإذا انتهى الأمر إلى إبراهيم والشعبي وابن المسيب والحسن وعطاء فلي أن أجتهد كما اجتهدوا»[74]

---

[68] ابن تیمیہ، 2000، ج:20ء، ص:14۔

[69] ابن تیمیہ، 2000، ج:20ء، ص:14۔

[70] ابن قیم، 1998، ج:5، ص:548۔

[71] ابن تیمیہ، 2000، ج:20ء، ص:14۔

[72] ابن قیم، 1998، ج:5، ص:548۔

[73] بخاری، 1997، ج:3ء، ص:410۔

[74] ابن عبد البر، 2000ء، ص:142۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

میں سب سے پہلے قرآن کریم سے حکم لیتا ہوں۔ اگر اس میں حل نہ ملے تو نبی ﷺ کی سنت اور ان آثار صحیحہ سے جو ثقہ راویوں سے مشہور ہیں۔ اگر قرآن و سنت میں نہ ملے تو صحابہ کے اقوال میں سے کسی کا قول اختیار کرتا ہوں اور جس کا چاہوں ترک کرتا ہوں، لیکن ان کے اقوال سے ہٹ کر دوسروں کے قول کی طرف نہیں جاتا۔ جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، ابن مسیب، حسن، یا عطاء تک پہنچے تو میں ان کے مانند اجتہاد کرتا ہوں

ابن عبد البر کی اس روایت کی سند میں اختلاف ہے، لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصول اپنے معاصر علما سے مختلف نہیں تھے، البتہ ان کا فہم منفرد تھا۔

موقوف روایت کی استدلالی حیثیت: محدثین اور فقہاء کے اصول و مناہج

موقوف روایت کی استدلالی حیثیت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب کی تفقہ اور استنباط احکام میں یکساں حیثیت نہ تھی۔ ایک گروہ ایسا تھا جس نے علم و فتویٰ میں شہرت حاصل کی اور "اصحاب العلم والفتاویٰ" کہلایا۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا، لوگ ان سے رہنمائی لیتے۔ ان صحابہ کے اقوال و فتاوی کی حجیت پر فقہاء میں اختلاف ہے۔

اقوال صحابہ سے استدلال میں اختلاف

علامہ آمدی بیان کرتے ہیں کہ تمام علما کا اتفاق ہے کہ اجتہادی مسائل میں کسی صحابی کا قول دوسرے مجتہد صحابی کے لیے حجت نہیں، خواہ وہ امام، حاکم، یا مفتی ہو۔ تاہم، تابعین اور مابعد مجتہدین کے لیے اس کی حجیت پر اختلاف ہے۔ اشاعرہ، معتزلہ، امام شافعی (ایک قول میں)، امام احمد (ایک روایت میں)، اور کرخی کے نزدیک یہ حجت نہیں۔ امام مالک، رازی، حنفیہ میں سے برذعی، شافعی (دوسرے قول میں)، اور احمد (دوسری روایت میں) کے نزدیک یہ قیاس پر مقدم حجت ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ اگر قول قیاس کے مخالف ہو تو حجت ہے، ورنہ نہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ صرف ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا قول حجت ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ صحابی کا قول مطلقاً حجت نہیں[75]

مسلم الثبوت کے مصنف نے صحابی کے قول کی مطلق حجیت کو بزدوی اور سرخسی کی طرف منسوب کیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت حجت ہے جب اجتہاد کی گنجائش نہ ہو۔ علامہ استوی کہتے ہیں کہ بیضاوی کا نقل کردہ قول درست نہیں، کیونکہ دو مسائل خلط ہو گئے: (1) قول صحابی کی حجیت، اور (2) مجتہد کے لیے تقلید کی جوازیت۔ شافعی کے جدید قول کے مطابق تقلید جائز نہیں، لیکن قدیم قول میں قبولیت عامہ کی صورت میں جائز ہے[76] امام غزالی اور آمدی نے اسے الگ مسائل کے طور پر بیان کیا۔[77]

المنار کے مصنف کہتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک صحابی کی تقلید واجب ہے اور قیاس ترک کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کا نبی ﷺ سے سنا ہونا ممکن ہے۔ تمام علما متفق ہیں کہ جو چیز قیاس سے معلوم نہ ہو، جیسے حیض کی کم از کم مدت، اس میں صحابی کی تقلید کی جاتی ہے۔ دیگر مسائل میں اختلاف ہے، جیسے زر کی مقدار یا مشترک مزدور کے مسائل[78]

---

[75] آمدی، 1985، ج:4، ص:149۔

[76] اسنوی، 1999ء، ج:3، ص:143۔

[77] غزالی، 1990، ج:1، ص:309؛ آمدی، 1985، ج:4، ص:204۔

[78] نسفی، 1998، ج:2، ص:174۔175۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

فریقین کے دلائل واستدلالات

قول صحابی کو حجت نہ ماننے والوں کے دلائل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾[79]

(عبرت پکڑو، اے بصیرت والو) یہ آیت اعتبار پر زور دیتی ہے، تقلید پر نہیں۔ مزید، صحابہ معصوم نہیں، ان سے خطا ممکن ہے، اس لیے ان کا قول دین میں حجت کیسے ہو سکتا ہے؟[80]

قول صحابی کو حجت ماننے والوں کے دلائل

حدیث: "اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم" (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کی اقتدا کروگے، ہدایت پاؤگے)[81]

حدیث کی استنادی حیثیت: ابن حزم نے اسے موضوع کہا، لیکن یہ متعدد طرق سے منقول ہے[82] صحیح مسلم میں اس معنی کی حدیث ہے کہ

«النجوم أمنة لسماء... وأصحابي أمنة لأمتي»[83]

ستارے آسمان کا بچاؤ ہیں، اور میرے صحابہ میری امت کا بچاؤ ہیں۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث جو امت نے قبول کرلی، وہ قابل عمل ہے، جیسے

«لا وصية لوارث»[84]

صحابہ کا قول نبی سے سنا ہو سکتا ہے، اس لیے قیاس پر مقدم ہے۔ صحابہ وحی، اسباب نزول، اور احکام کے حالات سے واقف تھے، اس لیے ان کی رائے دیگر علما سے اقرب الی الحق ہے۔[85]

بیع عینہ کی بحث

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر صحابہ کرام کے اقوال میں اختلاف ہو، یعنی بعض ایک رائے رکھتے ہوں اور بعض اس کے برخلاف، تو ہم اس صحابی کے قول کو ترجیح دیں گے جو قیاس کے مطابق ہو۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ زید کے قول کے ساتھ قیاس کا کیا جواز ہے، تو جواب یہ ہے کہ کیا پہلی بیع میں قیمت پوری طرح طے نہیں ہوئی؟ اگر ہاں، تو کیا دوسری بیع پہلی بیع کے مانند ہے؟ اگر نفی میں جواب ہو، تو کیا یہ حرام ہے کہ کوئی شخص اپنی چیز نقد فروخت کرے، حالانکہ اس نے اسے ادھار خریدا؟ اگر کوئی کہے کہ یہ اس لیے حرام ہے کہ چیز دوبارہ اس کے پاس آگئی یا اس نے کم نقد قیمت کی چیز کو ادھار زیادہ قیمت پر فروخت کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے حرام کس نے قرار دیا؟[86]

---

[79] القرآن الکریم، سورۃ الحشر، 59:2۔

[80] آمدی، 1985ء، ج:4، ص:204۔

[81] ابن عبد البر، 1994ء، ج:2، ص:91۔

[82] ابن عبد البر، 1994ء، ج:2، ص:895۔

[83] مسلم بن حجاج، 1991ء، رقم الحدیث:2531۔

[84] سخاوی، 1997ء، ص:120۔

[85] نسفی، 1998، ج:2، ص:176۔

[86] شافعی، 1990ء، ج:3، ص:79۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

امام مالک، جمہور اہل مدینہ، امام ابو حنیفہ، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک دوسری بیع جائز نہیں، کیونکہ یہ سود کا راستہ کھولتی ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، جو عبد الرزاق نے نقل کی کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ سے کہا: "میں نے زید بن ارقم کو آٹھ سو میں غلام فروخت کیا، پھر اسے چھ سو میں واپس خرید لیا۔" عائشہ نے فرمایا: "تو نے بہت برا سودا کیا۔ زید کو بتا دو کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو اس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد ضائع ہو جائے گا۔"[87]

امام شافعی اس پر کہتے ہیں کہ اگر یہ قول عائشہ سے ثابت ہو، تو شاید انہوں نے اسے اس لیے ناجائز سمجھا کہ مدت کا تعین نہ تھا، جو ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں۔ لیکن عائشہ سے یہ قول ثابت نہیں[88]

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت

فقہاء میں حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت پر اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ دو سال ہے، اور ان کی دلیل حضرت عائشہ کا قول ہے کہ

«الولد لا يبقى في البطن أكثر من سنتين ولو بطل مغزل»[89]

بچہ دو سال سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہتا، خواہ چھوٹی سی مقدار ہو۔

امام احمد، امام مالک کی مشہور روایت، اور امام شافعی کے نزدیک یہ مدت چار سال ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جہاں واضح شرعی حکم نہ ہو، وہاں عملی صورتحال دیکھی جاتی ہے، اور چار سال تک حمل کے واقعات پائے جاتے ہیں۔ ابن قدامہ نقل کرتے ہیں کہ ولید بن مسلم نے امام مالک سے کہا کہ عائشہ سے روایت ہے کہ حمل دو سال سے زیادہ نہیں ہوتا۔ مالک نے فرمایا: "سبحان اللہ، یہ کون کہتا ہے؟ ہماری پڑوسن محمد بن عجلان کی بیوی چار سال تک حاملہ رہی"[90]

حیض کی کم از کم مدت

حیض کی کم از کم مدت پر فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ تین دن رات ہے۔ ان کی دلیل حضرت انس کا قول ہے کہ

«قرء المرأة:ثلاث أربع خمس ست سبع، ثمان، تسع عشرة»[91]

عورت کا حیض تین سے دس دن تک ہوتا ہے۔

احناف واثلہ بن اسقع کی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ أقل الحيض ثلاثة أيام وأكثره عشرة (حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے)[92]

امام شافعی اور امام احمد کے صحیح مذہب کے مطابق یہ ایک دن رات ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شریعت یا لغت میں مدت کا تعین نہیں، اس لیے عرف و عادت دیکھی جاتی ہے، جیسے قبضہ یا حرز کے مسائل میں۔ عطاء کہتے ہیں کہ بعض عورتوں کو ایک دن اور بعض کو پندرہ دن حیض آتا ہے۔ وہ احناف کے قول کو رد کرتے ہیں، کیونکہ واثلہ کی روایت کے راوی محمد بن احمد شامی مجہول ہیں، اور انس کی روایت کے راوی ج بن ایوب ضعیف ہیں۔[93]

---

[87] عبد الرزاق، 1983ء، ج:8، ص:184، رقم الحدیث:14812۔

[88] شافعی، 1990ء، ج:3، ص:78۔

[89] مرغینانی، س ن، ج:2، ص:282۔

[90] ابن قدامہ، 1968ء، ج:1، ص:224۔

[91] ابن قدامہ، 1968ء، ج:1، ص:224۔

[92] ابن قدامہ، 1968ء، ج:1، ص:224۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عدت میں نکاح اور جماع کا حکم

امام مالک، اوزاعی، اور لیث کے نزدیک اگر عورت عدت میں نکاح کرے، تو دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی، اور وہ عورت اس شخص کے لیے ہمیشہ حرام ہو گی۔ ان کی دلیل حضرت عمر کا قول ہے کہ اگر عورت عدت میں نکاح کرے اور شوہر نے خلوت نہ کی ہو، تو علیحدگی کے بعد وہ پہلی عدت مکمل کرے گی، اور دوسرا شخص پیغام نکاح دے سکتا ہے۔ لیکن اگر خلوت ہوئی، تو علیحدگی کے بعد وہ پہلی اور دوسری عدت مکمل کرے گی، اور دونوں کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔[94]

امام شافعی اور احمد کی مشہور روایت کے مطابق، دو عدتیں مکمل کرنے کے بعد دوسرا شوہر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ شافعی فرماتے ہیں کہ فاسد نکاح سے جماع زنا سے زیادہ سنگین نہیں، اور زنا کے بعد عدت مکمل کر کے نکاح جائز ہے[95] وہ حضرت علی کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر عورت عدت میں نکاح کرے، تو پہلی اور دوسری عدت مکمل کر کے وہ آزاد ہے کہ چاہے تو نکاح کرے[96] ابن قدامہ نقل کرتے ہیں کہ عمر نے اپنے قول سے رجوع کر کے علی کے قول کو اپنایا[97]

مرضِ وفات میں طلاق کی صورت میں میراث کا حکم: دلائل و استدلالات

امام ابو حنیفہ، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اگر عورت کو مرض الموت میں طلاق بائن دی جائے اور عدت ختم ہونے سے قبل شوہر فوت ہو جائے، تو وہ عورت میراث کی حقدار ہوتی ہے۔ ان کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی تماضر بنت الاصبغ الکلبیہ کو مرض میں طلاق بائن دی، اور عثمان نے عدت کے دوران ان کی وفات کے بعد اسے میراث میں حصہ دیا۔ یہ فیصلہ صحابہ میں مشہور ہوا اور کسی نے مخالفت نہیں کی، جو اجماع سکوتی کی دلیل ہے۔[98]

امام شافعی کے جدید قول کے مطابق، ایسی عورت کو صحت یا مرض دونوں صورتوں میں میراث نہیں ملتی، کیونکہ طلاق کے بعد میاں بیوی کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ وہ الام میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میراث کا حق میاں بیوی کے رشتے سے مشروط کیا۔ طلاق بائن کے بعد رجوع ممکن نہیں، اس لیے عورت وفات کی عدت (چار ماہ دس دن) کی بجائے طلاق کی عدت گزارتی ہے۔ وہ شوہر کو نہیں دھوتی اور نہ وہ اسے دھوتا ہے، اور اس کی بہن یا دیگر چار عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بیوی نہیں رہی۔[99]

فقہاء کے اصول و مناہج

اجتہاد کا سنہری دور دوسری صدی ہجری کے اوائل سے چوتھی صدی ہجری کے نصف تک ہے، جب تیرہ مجتہدین نے فقہ میں نمایاں کردار ادا کیا: سفیان بن عیینہ (مکہ)، حسن بصری (بصرہ)، امام مالک (مدینہ)، امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری (کوفہ)، اوزاعی (شام)، شافعی اور لیث بن سعد

---

[93] ابن قدامہ، 1968ء، ج:1، ص:225؛ شافعی، 1990ء، ج:1، ص:82۔

[94] ابن رشد، 2004ء، ج:3، ص:70۔

[95] شافعی، 1990ء، ج:5، ص:249۔

[96] شافعی، 1990ء، ج:5، ص:249۔

[97] ابن قدامہ، 1968ء، ج:8، ص:125۔

[98] ابن قدامہ، 1968ء، ج:6، ص:395۔

[99] شافعی، 1990ء، ج:5، ص:271۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

(مصر)، اسحاق بن راہویہ (نیشاپور)، ابو ثور، محمد بن حسن، داؤد ظاہری، اور ابن جریر طبری (بغداد) وقت گزرنے کے ساتھ ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر کے متبعین ناپید ہو گئے۔[100]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو حنیفہ (80ھ-150ھ) کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں تجارت کی، لیکن شعبی کے مشورے پر علم حاصل کیا۔ عطاء بن ابی رباح، نافع، زید بن علی، محمد الباقر، جعفر الصادق، اور حماد بن ابی سلیمان سے استفادہ کیا۔ 18 سال حماد کی صحبت میں رہے اور 120ھ میں ان کے بعد تدریس و افتاء پر فائز ہوئے۔[101] اموی (52 سال) اور عباسی (18 سال) ادوار میں رہے۔ ابن ہبیرہ اور منصور عباسی کی قضا کی پیشکش ٹھکرائی، جس پر قید کی صعوبت برداشت کی اور 150ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ جنازہ میں 50 ہزار سے زائد افراد شریک ہوئے۔[102]

امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ستون کو سونا ثابت کر سکتے تھے۔[103] امام شافعی کہتے ہیں کہ فقہ میں لوگ ان کے محتاج ہیں۔[104] وہ زہد و تقویٰ میں بلند تھے اور فقہ کو مرتب و مبوب کیا[105] ان کی تصانیف میں مسند الامام الاعظم، المخارج، الفقہ الاکبر، الرد علی القدریۃ، اور العالم والمتعلم شامل ہیں[106] انہوں نے لاکھوں مسائل وضع کیے[107]

حنفیہ کے اصول

کتاب اللہ، سنت رسول، اقوال صحابہ، اجماع، قیاس، استحسان، عرف

موفق مکی نقل کرتے ہیں کہ ابو حنیفہ ثقہ روایات کو ترجیح دیتے، کمزور سے اجتناب کرتے، معاملات میں غور کرتے، قیاس سے پرکھتے، اور اگر قیاس ناکافی ہو تو استحسان اور تعامل الناس کو دیکھتے۔[108] حنفی اصولوں میں مصالح مرسلہ، سد ذرائع، استصحاب حال، اور شرائع من قبلنا بھی شامل ہیں۔[109]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

امام مالک (93ھ-179ھ) مدینہ میں پیدا ہوئے، "امام دار الہجرہ" کہلائے۔ عبد الرحمن بن ہرمز، نافع، زہری، اور ربیعہ الرائی سے علم حاصل کیا۔ شافعی فرماتے ہیں کہ وہ روشن ستارہ ہیں[110] اموی اور عباسی ادوار میں رہے۔ جعفر منصور سے رنجش پر کوڑے کھائے۔ رشید نے ان سے

---

[100] زحیلی، 1985، ج:1، ص:31-39۔

[101] ابو زہرہ، 1970ء، ص:58-68۔

[102] زرکلی، 1980، ج:8ء، ص:36۔

[103] زرکلی، 1980، ج:8ء، ص:36۔

[104] ابن قیم، 1998، ج:5، ص:548۔

[105] مناقب الامام الاعظم، 1970، ج:2ء، ص:136۔

[106] زرکلی، 1980، ج:8ء، ص:36۔

[107] مفتاح السعادہ، 1970، ج:2ء، ص:181۔

[108] ابو زہرہ، 1970ء، ص:207-208۔

[109] زحیلی، 1985، ج:1، ص:31۔

[110] زحیلی، 1985، ج:1، ص:31۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

حدیث سننے کی خواہش کی، لیکن انہوں نے فرمایا کہ علم کے پاس آیا جاتا ہے۔[111] ان کی تصانیف میں الموطا، الوعظ، المسائل، الرد علی القدریۃ، اور تفسیر غرائب القرآن شامل ہیں۔

مالکیہ کے اصول

کتاب اللہ کے پانچ اصول: نص، ظاہر، دلیل (مفہوم مخالف)، مفہوم موافق، تنبیہ۔

سنت کے پانچ اصول: نص، ظاہر، دلیل، مفہوم موافق، تنبیہ۔

مزید اصول: اجماع، قیاس، تعامل اہل مدینہ، قول صحابی، استحسان، سد ذرائع، مراعاۃ الخلاف، استصحاب حال، مصالح مرسلہ، شرائع من قبلنا۔[112]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی (150ھ-204ھ) غزہ میں پیدا ہوئے، مکہ میں پرورش پائی۔ قرآن حفظ کیا، قبیلہ ہذیل سے عربی ادب سیکھا۔ مسلم بن خالد سے افتاء کی اجازت لی، مالک سے الموطا پڑھا، اور سفیان بن عیینہ سے روایات لیں۔ بغداد میں محمد بن حسن سے فقہ سیکھا۔ قدیم مذہب بغداد میں اور جدید مصر میں تشکیل دیا۔ الرسالہ اور الام ان کی مشہور تصانیف ہیں۔[113]

شافعیہ کے اصول

کتاب اللہ، سنت، اجماع، قیاس

بعض شوافع تعامل اہل مکہ کو بھی شامل کرتے ہیں۔ امام شافعی نے اقوال صحابہ، استحسان، مصالح مرسلہ، اور تعامل اہل مدینہ کو مسترد کیا، کیونکہ ان میں خطا ممکن ہے۔[114]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد (164ھ-241ھ) بغداد میں پیدا ہوئے۔ شافعی، سفیان بن عیینہ، اور دیگر سے علم حاصل کیا۔ المسند (40 ہزار احادیث) ان کی مشہور کتاب ہے۔ فتنہ خلق قرآن میں صبر کیا۔ ابن المدینی فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کے ذریعے اسلام کو عزت دی۔[115]

حنابلہ کے اصول

کتاب اللہ، سنت، فتویٰ صحابی، اجماع، قیاس، استصحاب حال، مصالح مرسلہ، سد ذرائع

---

[111] زرکلی، 1980، ج:5، ص:257۔

[112] زحیلی، 1985، ج:1، ص:31۔

[113] زحیلی، 1985، ج:1، ص:35-36۔

[114] شافعی، 1990ء، ج:1، ص:31-32۔

[115] زحیلی، 1985، ج:1، ص:36۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

احمد مرسل اور حسن درجہ کی ضعیف احادیث کو قبول کرتے، لیکن قیاس سے اجتناب کرتے[116]

محدثین کے اصول و مناہج

محدثین، خصوصاً حنفیہ، حدیث کی قبولیت میں راویوں کی ثقاہت کے ساتھ خارجی قرائن کو بھی دیکھتے ہیں۔ سند کو روایت اور متن کو درایت سے پرکھتے ہیں۔

پہلا اصول: قرآن سے موافقت

قرآن نص قطعی ہے، اس لیے حدیث کی قبولیت میں اس سے موافقت ضروری ہے۔ سرخسی فرماتے ہیں کہ قرآن سے متعارض حدیث مقبول نہیں، چاہے آیت عام ہو یا خاص[117] مثال: فاطمہ بنت قیس کی حدیث کہ لا نفقة و لا سكنى للمبتوتة سورہ طلاق سے متعارض ہے، اس لیے حنفیہ اسے استثنائی مانتے ہیں۔[118] قرآن سے موافق ضعیف حدیث، جیسے من جمع بين صلاتين، مقبول ہے کیونکہ یہ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا سے مطابقت رکھتی ہے۔[119]

سیوطی فرماتے ہیں کہ قرآن سے موافقت حدیث کی صحت کو ثابت کرتی ہے۔[120] ابو الحسن بن حضار کہتے ہیں کہ فقیہ قرآن یا شرعی اصول سے موافقت کی بنا پر حدیث کو قبول کرتا ہے۔[121] مثال: عبد اللہ بن ابی اوفی کی نماز حاجت کی ضعیف حدیث قرآن سے موافقت کی وجہ سے مقبول ہے۔[122]

صحابہ نے بھی یہ اصول اپنایا، جیسے عمر نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو رد کیا کیونکہ یہ قرآن سے متعارض تھی۔[123] عائشہ نے الميت ليعذب ببكاء أهله کو رد کیا کیونکہ یہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى سے متعارض تھی۔[124]

دوسرا اصول: شریعت کے قواعد سے مطابقت

محدثین کے استدلال کے طریقہ کار میں یہ اصول اہم ہے کہ حدیث کی قبولیت یا عدم قبولیت میں اس کا شریعت کے عمومی مزاج، قواعد، اور اصولوں سے مطابقت رکھنا کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ بعض روایتیں، اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہوں، شریعت کے اصولوں سے مطابقت کی وجہ سے مقبول ہوتی ہیں، جبکہ کچھ قوی سند والی روایتیں شریعت کے مسلمہ قواعد سے تعارض کی بنا پر رد کر دی جاتی ہیں۔ قاضی ابو زید دبوسی فرماتے ہیں کہ خبر واحد اگر شریعت کے اصولوں سے متعارض ہو تو مقبول نہیں۔[125]

---

[116] ابن قیم، 1998، ج:1، ص:26۔28۔

[117] سرخسی، 1985، ج:1، ص:364۔

[118] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث:1480۔

[119] ترمذی، 2000، رقم الحدیث:188۔

[120] سیوطی، 1983، ج:1، ص:48۔

[121] زحیلی، 1985، ج:1، ص:38۔

[122] ترمذی، 2000، رقم الحدیث:479۔

[123] بیہقی، 1985، ج:7، ص:574۔

[124] بخاری، 2002ء، رقم الحدیث:1304۔

[125] دبوسی، 1990ء، ص:77۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مثال کے طور پر، حنفیہ کے نزدیک مسائل جیسے حیوانات کے فضلہ کا ناپاک ہونا، شرمگاہ کے چھونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا، استنجاء کے لیے تین پتھروں کا واجب نہ ہونا، یا مصراۃ (دودھ روکے جانور) کی فروخت کے بارے میں حدیث کی ظاہری تعبیر کے بجائے تاویل کی جاتی ہے۔ یہ اصول صلوٰۃ کسوف کی روایات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے، جہاں ایک رکعت میں ایک سے پانچ رکوع کی روایات ہیں۔ جمہور نے دو رکوع والی روایت کو ترجیح دی، لیکن حنفیہ نے ایک رکوع والی روایت کو نماز کی عمومی کیفیت سے مطابقت کی بنا پر مقدم کیا۔[126]

مالکیہ نے بھی اس اصول پر زور دیا۔ علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ اگر خبر واحد شریعت کے کسی قاعدے سے متعارض ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ امام شافعی اسے جائز مانتے ہیں، جبکہ مالک کا مشہور قول ہے کہ اگر دوسرا قاعدہ اس کی تائید کرے تو مقبول ہے، ورنہ ترک کر دی جاتی ہے۔[127]

علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ سند کی صحت یا ضعف سے متن کی صحت کا حتمی فیصلہ نہیں ہوتا، بلکہ اس میں احتمال ہوتا ہے۔ امام حاکم مستدرک میں ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن کی سند صحیح لیکن متن میں شذوذ یا علت کی بنا پر رد کی جاتی ہیں۔[128]

تیسرا اصول: صحابہ کرام کا عمل اور رویہ

چونکہ صحابہ حدیث کے اولین راوی ہیں اور ان کی عدالت حدیث سے ثابت ہے، اس لیے ان کا رویہ حدیث کی قبولیت میں اہم ہے۔

الف: اگر صحابہ میں کسی مسئلے پر اختلاف ہو اور حدیث سے استدلال نہ کیا گیا ہو، تو یہ اس کی کھوٹ یا منسوخی کی دلیل ہے۔ مثال کے طور پر، طلاق العبد ثنتان یأموال الیتامی والی روایات سے صحابہ نے استدلال نہیں کیا، اس لیے حنفیہ نے ان کی تاویل کی۔[129]

ب: اگر صحابہ نے حدیث پر عمل نہ کیا یا اسے ترک کیا، تو اس کا ظاہری مفہوم مطلوب نہیں۔ مثال: زنا کی سزا میں تغریب عام کی حدیث کو عمر نے خاص حالات میں ترک کیا[130]

ج: اگر صحابی کا فتویٰ یا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو، تو وہ نامقبول ہے۔ مثال: ابو ہریرہ کی "کتے کے جھوٹے" کی حدیث سات دفعہ دھونے کی ہے، لیکن ان کا فتویٰ تین دفعہ کا تھا، اس لیے حنفیہ نے طحاوی کی تین دفعہ والی روایت کو ترجیح دی۔[131]

چوتھا اصول: متنِ حدیث کی شریعت کے مقاصد سے جانچ

محدثین نے حدیث کی سند کو تحقیق رجال سے پرکھا، لیکن حنفیہ نے متن کو قرآن، شریعت کے مقاصد، اور تاریخی پس منظر سے جانچا۔ تابعین کی مرسل روایات حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک حجت ہیں، اگر راوی ثقہ ہو۔ شافعی نے انقطاع کی بنا پر مراسیل رد کیں۔ حنفیہ نے ابراہیم نخعی کی مراسیل سے استدلال کیا، کیونکہ وہ ثقہ راویوں سے نقل کرتے تھے[132]

---

[126] زحیلی، 1985، ج:1، ص:31۔

[127] القرآن الکریم، سورۃ الانعام، 6:164۔

[128] سخاوی، 1997ء، ج:1، ص:106۔107۔

[129] ابن ماجہ، 2000، رقم الحدیث:2081؛ بخاری، 2001، رقم الحدیث:2649۔

[130] ابن حجر، 2000، ج:2ء، ص:734۔

[131] طحاوی، 1990، ج:1، ص:23؛ مسلم، 1955، رقم الحدیث:279۔

[132] زبیدی، 1988ء، ص:67۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

پانچواں اصول: صحابہ کے آثار و فتاویٰ

جب مرفوع حدیث نہ ہو، تو صحابہ کے فتاویٰ قول آخر ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ انہیں اہمیت دیتے ہیں۔ اگر قول اجتہادی نہ ہو اور اختلاف نہ ہو، تو واجب العمل ہے۔ مثال: انس کا حیض کی مدت (تین سے دس دن)، ابن عمرو کا نفاس (چالیس دن)، عائشہ کا حمل (دو سال)، اور علی کا مہر (دس درہم)[133]

اجتہادی مسائل میں ایک صحابی کا قول اگر بغیر اختلاف ہو تو جصاص، بزدوی، سرخسی، اور ابو الیسر اسے حجت مانتے ہیں، جو مالکیہ اور احمد کے ایک قول سے ملتا ہے۔ کرخی اور دبوسی اسے قیاس پر مقدم نہیں مانتے۔[134]

چھٹا اصول: قیاس پر ضعیف حدیث کی ترجیح

حنفیہ ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں، بشرطیکہ راوی پر کذب کی تہمت نہ ہو۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حنفیہ ضعیف حدیث کو مجرد قیاس پر ترجیح دیتے ہیں[135]

حصکفی کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر عمل کی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو۔[136]

شامی شدت ضعف کو جھوٹے یا متہم راوی سے تعبیر کرتے ہیں۔[137]

ابن حزم اور ابن قیم بھی کہتے ہیں کہ حنفیہ ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں، جیسے قہقہہ کی حدیث۔[138]

ساتواں اصول: حدیث میں کسی جزو کا ذکر نہ ہونا باعثِ قدح نہیں

صحابہ کرام جب نبی ﷺ سے حدیث نقل کرتے تھے تو بعض اوقات کچھ حصوں کو بیان کرتے اور کچھ رہ جاتے، جو دوسرے صحابہ یا انہی کی دیگر روایات میں ملتے ہیں۔ یہ رہ جانا کبھی حدیث کے معنی پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا، بلکہ ہر حصہ مستقل طور پر روایت ہوتا تھا۔ علما متفق ہیں کہ حدیث کے کسی جزو کا ذکر نہ ہونا باقی روایت کے لیے نقصان کا باعث نہیں۔ امام زہری (متوفی 124ھ) حدیث افک کے واحد راوی ہیں، جو مختلف تابعین سے حضرت عائشہ کی روایت نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہر راوی نے اس کا کوئی حصہ بیان کیا۔ وہ یہ واضح نہیں کرتے کہ کون سا حصہ کس راوی سے ہے، لیکن چونکہ تمام راوی ثقہ ہیں، اس لیے پوری حدیث قبول کر لی گئی اور صحیح مانی گئی۔ امام نووی کہتے ہیں کہ زہری کا یہ طریقہ جائز ہے، کیونکہ تمام راوی حفاظ ہیں۔ اگر کسی حصے کی نسبت میں تردد ہو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ دونوں راوی ثقہ ہیں، اور علما کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی کہے کہ زید یا عمرو نے حدیث بیان کی اور دونوں ثقہ ہوں تو اس سے استدلال جائز ہے۔[139]

---

[133] سرخسی، 1985، ج:1، ص:361۔

[134] سرخسی، 1985، ج:2، ص:11؛ آمدی، 1985، ج:2، ص:357۔

[135] علی قاری، 2000، ج:3، ص:1۔

[136] حصکفی، 2000، ج:1، ص:128۔

[137] شامی، 2000، ج:1، ص:87۔

[138] ابن قیم، 1998، ج:1، ص:69۔

[139] ابن قیم، 1998، ج:1، ص:77؛ نووی، 1997، ج:2، ص:364۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

آٹھواں اصول: حدیث کی تصحیح کے طریقے

محدثین کے ہاں حدیث کی تصحیح کے دو طریقے رائج ہیں:

1۔ راویوں کی ثقاہت، باہمی اتصال، اور شذوذ یا نکارت سے سلامتی کی جانچ کر کے حدیث کو صحیح قرار دینا۔

2۔ اکابر علما کی تصحیح پر اعتماد کر کے بغیر تفصیلات کے حدیث کو صحیح ماننا۔

قبولیت روایت میں اعتماد بنیادی اصول ہے۔ یہ اعتماد کسی بھی طریقے سے حاصل ہو، روایت مقبول ہوتی ہے۔ ہر فن میں اکابر کی تقلید کی جاتی ہے، جب تک خود راویوں کی جانچ اور طرق پر نظر نہ ہو۔ عبد الرحمن بن مہدی (متوفی 198ھ) فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت الہامی ہے، جو دل میں اترتی ہے۔ بعض حدیثیں ثقہ راویوں کے باوجود قبول نہیں کی جاتیں، کیونکہ فن کا ذوق اس کی اجازت نہیں دیتا۔[140]

نواں اصول: ترجیح و تطبیق کے اسالیب

شریعت تدریجی طور پر مکمل ہوئی، کچھ احکام پہلے جائز تھے جو بعد میں ناجائز ہوئے یا اس کے برعکس۔ متعارض روایات کی صورت میں پہلے نسخ دیکھا جاتا ہے، اگر تاریخ معلوم ہو۔ اگر نسخ واضح نہ ہو تو ترجیح کے وجوہ تلاش کیے جاتے ہیں۔ اگر ترجیح نہ ہو سکے تو تطبیق کی جاتی ہے، یعنی ہر روایت کو الگ محمل پر رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو تساقط کیا جاتا ہے۔ حنفیہ کی ترتیب ہے: نسخ، ترجیح، تطبیق، تساقط۔ شافعیہ کی ترتیب ہے: تطبیق، ترجیح، نسخ، تساقط۔[141]

نتائج و خاتمہ (Conclusion)

زیرِ نظر تحقیق سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ موقوف روایت کی استدلالی حیثیت کا تعین صرف اس امر سے نہیں کیا جا سکتا کہ روایت کے ظاہری الفاظ صحابی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ علمِ حدیث میں نسبتِ روایت کے ظاہری قالب کے ساتھ اس کے مضمون، سیاق، قرائن اور امکانِ اجتہاد کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر بعض روایات لفظاً موقوف ہونے کے باوجود حکماً مرفوع قرار پاتی ہیں اور شرعی استدلال میں مرفوع روایت کے قائم مقام سمجھی جاتی ہیں۔

تحقیق سے یہ بھی سامنے آتا ہے کہ مرفوعِ حکمی قرار دینے کے لیے محض صحابی کا قول ہونا کافی نہیں، بلکہ ایسے معتبر قرائن کا پایا جانا ضروری ہے جو اس قول یا عمل کے نبوی ماخذ پر دلالت کریں۔ خصوصاً ایسے امور جن میں شخصی رائے اور اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، عہدِ نبوی کی طرف کسی عمل کی صریح نسبت، صحابی کا «مِنَ السُّنَّةِ» کہنا، «أُمِرْنَا» یا «نُهِينَا» جیسے صیغوں کا استعمال، اور ایسا اجتماعی عمل جس کا عہدِ رسالت ﷺ میں وقوع ثابت ہو، مرفوعِ حکمی کی اہم علامات میں شمار ہوتے ہیں۔ تاہم ہر قرینے کو اس کے سیاق، روایت کی صحت اور دیگر شرعی دلائل کے ساتھ ملا کر دیکھنا ضروری ہے۔

یہ مطالعہ مزید واضح کرتا ہے کہ قولِ صحابی اور موقوف روایت کی حجیت ایک ہی درجے کی نہیں۔ جہاں روایت میں سماعِ نبوی یا تقریرِ نبوی کا معتبر قرینہ موجود ہو وہاں اس کی حجیت محض قولِ صحابی کی حجیت سے کہیں زیادہ قوی ہو جاتی ہے، جبکہ اجتہادی امور میں صحابی کا قول فقہی و اصولی اختلاف کا محل رہتا ہے۔ اسی بنا پر محدثین اور فقہاء نے روایت کے متن، سند، صحابی کے علمی مقام، عملِ صحابہ، قرآن و سنت سے موافقت اور

---

[140] حاکم، 1980ء، ص:113۔

[141] ترمذی، 2000، رقم الحدیث:8۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

قواعدِ شریعت سمیت متعدد عوامل کو ملحوظ رکھا ہے۔ نتیجتاً موقوفِ بحکمِ مرفوع کا تصور حدیثی نصوص کی صحیح تعبیر، قولِ صحابی کے مقام کی متوازن تعیین اور فقہی احکام کے مضبوط استنباط کے لیے ناگزیر حیثیت رکھتا ہے۔